بدلتی دنیا کے تقاضے اور فکر اقبالؒ

آغر ندیم سحر
شاعر،کالم نگار روزنامہ نئی بات
ایم فل ریسرچ اسکالر شعبہ اردو،جی سی یونیورسٹی لاہور
nadeem.aaghar1711@gmail.com

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ ایک مشہور فلسفی‘شاعر اور قومی سیاسی رہنما ہیں۔ان کی شاعری پوری دنیا میں نہ صرف امن کا گہوارہ ہے بل کہ عالمی سطح پر موجود عصری اور معاشی فکر کو اجاگر کرنے میں بھی اپنا نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔علامہ اقبالؒ کے کلام کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان کی عصر شناس فکر نے عالمی سطح کے دانشوروں اور فلاسفروں کو نہ صرف پڑھا بل کہ ان کو اپنا موضوع بھی بنایا۔اس سے نہ صرف انہیں نئی منزلوں کا شعور ملا بل کہ فلسفے کی گتھیاں سلجھانے میں بھی مدد ملی اورساتھ ہی ساتھ اپنے شعری جہان میں عصری معنویت کا پہلو پیش کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ان کے کلام میں موجود ہمہ گیریت کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ ان کی آواز سے نہ صرف فارسی و اردو ادب متاثر ہوا بلکہ ان کی آواز سے عالمی ادب پر بھی گہرے ثرات مرتب ہوئے۔حضرت اقبالؒ کے شعری جہان کا سفر کرتے ہوئے بارہا ایسے مقامات پر نظر رکتی ہے جہاں سے صاف پتا چلتا ہے کہ اقبالؒ بدلتی ہوئی دنیا کا نقشہ اپنی عمیق نظری سے دیکھ رہے تھے۔برطانوی سامراج سے لے کر ہندوانہ استحصال اور پھر تقسیم سے قبل کے فسادات تک تمام موضوعات اقبالؒ کے کلام میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔قرآن و حدیث کا گہرا مطالعہ اور سائنسی فکر کی تفہیم و تعلیمات نے ان کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔یہی وجہ ہے کہ اقبال کا کلام نہ صرف ایک خاص طبقے کی نمائندگی کرتا ہے بل کہ عالمی ادب پر بھی اس کے اثرات اردو اور فارسی سے زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔معاشرتی کسمپرسی سے لے کر عصری خوبیوں اور خامیوں سے جڑ کر جس طرح اقبال نے اپنا الگ شعری جہان تخلیق کیا اس کی مثال نہ تو ان سے قبل ملتی ہے اور نہ ہی ان کے بعد۔عصرِ عاضر اور بدلتی ہوئی دنیا میں بھی جب فکرِ اقبالؒ کی معنویت تلاش کریں تو ایک ہمہ جہت نظامِ معاشرت کی طرف نظر جاتی ہے۔علمِ اقتصادیات سے لے کر فنونِ لطیفہ علامہ اقبالؒ کی کثیر الجہات فکری شخصیت ہر شعبہ حیات کی طرف توجہ مبذول کرواتی ہے۔

علامہ جس ملک کا خواب دیکھ رہے تھے وہ ایک مثالی ریاست کا خواب تھا جس میں انہوں نے نظامِ تعلیم سے لے کر مذہب اور سیاست تک کا نقطہ نظر بیان کیا۔چوں کہ علامہ جانتے تھے کہ آنے والا وقت حال سے کہیں زیادہ چیلینجز لے کر آئے گا اور اگر یہ اسلامی ملک موجودہ مسائل سے ہی دوچار رہے گا اور نئی دنیا جو فکری اور گلوبلائزیشن کی دنیا ہے‘اس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آج سے ہی سنجیدگی سے نہ سوچا گیا تو ہمارے پاس کچھ باقی نہیں رہے گا۔علامہ اس حوالے سے جاپان سمیت کئی ترقی یافتہ ممالک کی مثالیں دیتے ہوئے یہ سمجھانے کی سعی کرتے ہیں کہ یہ اسلامی ریاست کس طرح کی ہونی چاہیے۔ان کا خیال تھا کہ اس ریاست میں جہاں مذہب کی علمبرداری ہوگی وہاں سیاست سمیت تمام بنیادی مسائل پر بھی سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔

علامہ اس حوالے سے سب سے زیادہ امت مسلمہ کے اجتہاد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔اس حوالے سے اگر ہم انیسویں صدی کا جائزہ لیں تو امتِ مسلمہ کے زوال کا سفر جہاں منطقی انجام کو پہنچا وہاں مذہبی تعلیمات سے مایوسی کے غلبے نے قوم کو ذہنی اور فکری طور پر مفلوج کر دیا۔یہی وہ زمانہ تھا جب ہمارے دانشوروں کو مغربی مادی ترقی نے اپنی طرف مائل کیا اور انہیں مادیت پرستی کے سوا سب کچھ رائیگاں لگنے لگا۔انہوں نے اس قوم کو مادیت پرستی کی جانب راغب لرنے کے لیے ہر طرح کی جہاں کمزور تاویلات کا سہارا لیا وہاں انہوں نے مختلف ہتھکنڈے بھی آزمائے۔یہی وہ دور تھا جب علامہ کو اجتہاد کا خیال آیا۔انہوں نے مغرب کی کھوکھلی تہذیب کو بے نقاب کرتے ہوئے اندھی تقلید سے چھٹکارا پانے کا کہا۔انہوں نے قوم کو نئی فکر سے روشناس کرواتے ہوئے بدلتی

ہوئی دنیا کی ضروریات اور اس کے نئے آہنگ سے متعارف کروایا۔وہ یورپی فکر کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"حیرت کی بات ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل ایشیا اور افریقہ میں اپنے عقیدے کی نئی توجیہہ چاہتی ہے۔اسلام کی بیداری کے ساتھ یہ ضروری معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم آزادانہ طور پر یہ دیکھیں کہ یورپی فکر کیا ہے اور اس کے فکری نتائج اسلام کی دینیاتی فکر پر نظر ثانی کرنے یا اس کی از سرِ نو تشکیل کرنے میں کہاں تک ہماری مدد کر دسکتے ہیں"۔(۱)

یہی وجہ ہے کہ اقبال اجتہاد کے دیکھنے کے خواہش مند تھے۔انہیں لگتا تھا کہ اسلام ہی وہ واحد راستہ ہے جس سے امت میں اجتہاد پیدا ہو سکتا ہے ورنہ جس مغربی تہذیب کے ہمارے دانشور دلدادہ ہیں وہ محض خیالی دنیا ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

بانگِ درا کے دورِ اول کی غزل کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی

رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے(۲)

اقبال چاہتے تھے کہ ہم اندھی تقلید کی دنیا سے باہر آ کر سچائی کی تلاش کریں اور اس حقیقت کی طرف پلٹیں ہمارا مذہب جس کی اجازت دیتا ہے۔گویہ راستہ کٹھن ،طویل اور پرخار ہے مگر اس کو اختیار کیے بنا منزل پہ پہنچنا ناممکن ہے۔اپنے ایک ابتدائی مضمون"قومی زندگی"میں علامہ کچھ یوں فرماتے ہیں:

"اگر موجودہ حالاتِ زندگی پر غور کیا جائے تو جس طرح اس وقت ہمیں ایک جدید علمِ کلام کی ضرورت ہے اسی طرح قانونِ اسلامی کی جدید تفسیر کے لیے ایک بہت بڑے فقیہہ کی ضرورت ہے جس کے قوائے عقلیہ و متخیلہ کا پیمانہ اس قدر وسیع ہو کہ وہ مسلمات کی بنا پر قانونِ اسلامی کو نہ صرف ایک جدید پیرائے میں مرتب و منظم کر سکے بلکہ تخیل کے زور سے اصول کو ایسی وسعت دے سکے جو زمانہ حال کی تمدنی تقاضوں کی تمام صورتوں پر حاوی ہو"۔(۳)

اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ ایک نئے علمِ کلام کی تشکیل اور قانون اسلامی کی جدید تفسیر کی ضرورتوں کا شدید احساس رکھتے تھے جس سے امت میں مغربی تہذیب کی جگہ اجتہاد اور اسلامی تہذی جڑ پکڑ سکے۔

علامہ جہاں امت مسلمہ کے اجتہاد پر زور دیتے ہیں وہاں علامہ صنعتی انقلاب کو بھی غائر نظر سے دیکھتے ہیں۔کیوں کہ علامہ سمجھتے تھے کہ برصغیر پاک و ہند کا معاشی نظام برطانوی سامراجی نظام سے منسلک ہے۔یہ وسیع وعریض گنجان آباد خطہ زمین خام مال بھی مہیا کرتاہے اور تیار شدہ مال کی وسیع منڈی بھی ہے۔اس میں برطانیہ کا مد مقابل کوئی نہیں۔جو دولت برطانیہ پیدا کرتا ہے اس کا ایک نہایت قلیل حصہ اس برصغیر کی ترقی پر خرچ ہوتا ہے۔اس دولت میں جو یہاں خرچ ہوتی ہے وہ برطانوی سرمایہ داری نظام کی مزید وسعت کی معاون بھی ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ علامہ نے یورپی نوآبادیاتی نظام اور سرمایہ داری کے نتائج کو اس طرح بیان کیا ہے۔

نسل ،قومیت ،کلیسا ،سلطنت ،تہذیب ،رنگ

خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

کٹ مرا ناداں خیالی دیوتاؤں کے لیے

سکر کی لذت میں تو لٹوا گیا نقدِ حیات

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار

انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات (۴)

علامہ یہ محسوس کر چکے تھے کہ مسلمانوں کی بدحالی ،سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار تھی۔لہٰذا ان کی مشکلات کا حل اس نظام میں تو بالکل بھی نہیں ہے۔اسی وجہ سے ان کا پختہ ایمان تھا کہ یہ نظام ایک نہ ایک دن نیست و نابود ہو جائے گا اور اس کی جگہ ایک ایسا نظام آئے گا جو امتیازات سے بالاتر ہو گا۔

علامہ کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر

یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور(۵)

علامہ جہاں دیگر موضوعات پر قلم اٹھا رہے تھے وہاں وہ مسلم امہ کو درپیش ان مسائل کا حل بھی تلاش کر رہے تھے جس کا یہ قوم کسی نہ کسی صورت میں شکار تھی۔گوکہ اس وقت یہ مسائل اتنے شدید نہیں تھے جتنے آج ہو چکے ہیں۔علامہ درج ذیل مسائل کا حل تلاش کر رہے تھے۔

۱۔نیشنلزم ۲۔جمہوریت

۳۔گورنمنٹ ۴۔اسلامائزیشن

٥۔معاشی ترقی ٦۔گلوبلائزیشن

٧۔تہذیبوں کا تصادم ٨۔پاکستان کا تحفظ

سب سے اہم مسئلہ نیشنلزم کی تقویم کا تھا۔برطانوی جدیدیت نے پاک و ہند کی پرانی تہذیبوں کو کھلا چیلنج کیا۔اس چیلنج سے مسلم تہذیب کو اچھا خاصا دھچکا لگا کیوں کہ مغربی تہذیب کئی حوالوں سے ایک طاقتور تہذیب تھی۔ان کی عسکری ایجادات اور مادی ترقی سے مسلم قوم بہت حد تک متاثر ہو چکی تھی۔ہندوستان کی ہندو اکثریت نے تو بہت جلد اپنے آپ کو نئے افکار اور رویوں کے سانچوں میں ڈھال لیا مگر مسلمان بھی یہ سب تبدیلی دیکھ رہا تھا۔حالات کے مطابق مسلمان نے بھی انگریزی زبان سیکھنا شروع کر دی'گوکہ بہت دیر سے کی تاہم پھر بھی یہ لوگ بادشاہ اور رعایا کا مفہوم تو سمجھتے تھے مگر نیشنلزم کا تصور ان کے لیے بالکل نیا تھا۔جب مغرب سے نیشن سٹیٹ کا لفظ نئے سیاسی فکر میں شامل ہوا تو برصغیر کے لوگ بھی اس سے متاثر ہوئے تو نیشن کا اردو ترجمہ قوم کا کر لیا گیا۔اب یہ الگ بحث ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران انڈین نیشنلزم اور مسلم نیشنلزم کے مابین مناقشت جاری رہی۔

قومی ریاست سے منسلک مسئلہ طرزِ حکومت کا تھا۔بادشاہت کا دور تو ختم ہو تے ہی اس کی جگہ جمہوریت نے لے لی۔تحریک پاکستان بھی جمہوری روایات کے مطابق اپنی منزل پر پہنچی۔گوکہ آزادی کے بعد یہ بحث جاری رہی کہ اس ملک پر حکومت کو ن کرے گا۔جاگیردار کے لیے تو تمام راستے مفقود ہو کر رہ گئے تھے ورنہ تو حاکمیت کا یہ تصور مغلوں کے زمانے سے ہمارے ورثے کا ایک حصہ تھا۔علامہ کے پیشِ نظر یہ مسئلہ تھا کہ اس ملک کو حقیقی جمہوری بنیادوں پر کھڑا ہونا چاہیے۔اقبال جانتے تھے کہ تقسیم کے بعد جہاں لسانی اور نسلی تصورات جڑ پکڑیں گے وہاں جمہوریت اور آمریت کی بحث بھی رہے گا یہی وجہ ہے کہ وہ ان مسائل کا حل چاہتے تھے۔علامہ موروثی سیاست کو کامیاب ریاست کے خلاف سمجھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ اچھی حکومت کے لیے ایک ایسی اسلامی ریاست کے خواہاں تھے جہاں غریب اور امیر'کمزور اور طاقتور'مجبور اور جابر ہر طرح کے لوگ آرام و سکون کی زندگی گزار سکیں۔یہی وجہ ہے کہ اقبال ایک ایسے آئین نو کا خواب دیکھ رہے تھے جو نہ صرف جمہوریت کی بنیادیں مضبوط کرے بلکہ معاشی ترقی اور گلوبلائزیشن کے دور میں جہاں تہذیبیں آپس میں ٹکرا رہی ہیں'پرامن بقائے باہمی کا دور دورہ ہو۔ان کے نزدیک اس مقصد کا حصول اسلام کے علاوہ ممکن نہیں۔

علامہ کے فکری سفر کا محور جہانِ نو کی تلاش تھی۔عصرِ حاضر نے دنیا کے سامنے بہت سارے نظریات پیش کئے۔اقتصادی'سماجی و معاشی اور سیاسی فلاح و اصلاح کے نئے نئے دروازے وا ہو رہے تھے۔علامہ اس ساری صورت حال کو نہ صرف محسوس کر رہے تھے بلکہ اس کے متعلق سنجیدگی سے سوچ بھی رہے تھے۔بیسویں صدی میں ابھرنے والی علامہ کی متحرک'توانا اور تابندہ فکری شخصیت اکیسویں صدی کے پُر آشوب عالمی منظر نامے میں بہت زیادہ معنویت رکھتی ہے۔

حوالہ جات

١۔محمد اقبال،تشکیل جدید الہیات اسلامیہ،مترجم:نذیر احمد نیازی،لاہور:بزمِ اقبال١٩٨٣ئ،ص:١٢

٢۔محمد اقبال،کلیات اقبال اردو،لاہور:الفیصل ناشران و تاجران کتب،١٩٩٥ئ،ص:٨٠

٣۔محمد اقبال،مقالات اقبال،مرتب:سید عبدالواحد معینی،لاہور:آئینہ ادب،١٩٨٨ئ،ص:٩١

٤۔بحوالہ ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف۔اقبال اور عصری مسائل۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،٢٠٠٥ئ،ص ١٦٠

٥۔بحوالہ ڈاکٹر کنیز فاطمہ یوسف۔اقبال اور عصری مسائل۔لاہور:سنگِ میل پبلی کیشنز،٢٠٠٥ئ،ص ١٦١